نقش پیمبر،

سماجی انصاف

محمد صغیر حسن معصومی

سماجی انصاف مسلم معاشرے کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ تاریخی واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہر زمانے میں اسلام کے فرزندوں نے سماجی انصاف کا بول بالا کیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سماجی انصاف اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ پروردگار کے آگے سر جھکا دینا، حق کے آگے چون و چرا نہ کرنا۔ مسلمان وہ ہے جو اپنے حقوق کو دوسروں کے لئے قربان کر دے، جس کی زبان، ہاتھ یا دل سے کسی دوسرے شخص کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و سلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تاکہ دنیا میں سماجی انصاف قائم ہو، کوئی شخص کسی شخص پر ظلم نہ ڈھائے، زور آور کمزور کو آنکھیں نہ دکھائے، مالدار مفلس کو ذلیل نہ سمجھے۔ طاقت اور مال و دولت کی میزان پر انصاف کو تولا نہیں جاسکتا۔ آج کی طرح اس دور کی دنیا میں بھی طاقت و دولت کی بنیاد پر طبقات قائم تھے۔ عرب میں علم و تہذیب نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ بدنظمی تھی۔ قبائلی جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ لوگ طاقت کے مظاہرے سے باز نہ آتے تھے۔ بس چلتا تو اکے دکے مسافروں کو پکڑ کر دوسرے قبائل کے ہاتھوں بیچ دیتے تھے۔ لوٹ مار کا خطرہ برابر رہتا تھا۔ یہود و نصاریٰ بھی سرزمین عرب میں بستے تھے۔ مگر علم و ثقافت کے دعویدار ہونے کے باوجود سماجی خیر و بہبود کے قوانین کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے عربوں کے اخلاق و عادات پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ تاریخی شہادتیں بتاتی ہیں کہ مدینہ منورہ، طایف، نجران

اور خیبر وغیرہ میں بڑی تعداد میں یہود و نصاری بستے تھے۔ علم و دولت کے ذریعہ آس پاس کے عرب قبائل پر حاوی تھے ، ان سے کام لیتے اور معاوضہ بہت کم دیتے یا بالکل نہ دیتے ۔ عرب سرداروں میں بھی یہ برائیاں آگئی تھیں۔ سر زمین عرب سے باہر شام و مصر میں بازنطینی نصرانیوں کی حکومت تھی اور مشرق و شمال کی جانب ایرانیوں کی سلطنت تھی جو آتش پرست تھے۔ عرب کے جنوب میں یمن اور حضر موت کے علاقوں پر اکثر ایرانیوں یا حبشہ کے عیسائی حکمرانوں کا قبضہ رہتا تھا۔ ان کے قلمرو علاقوں میں بھی امن و امان ، آزادی و حریت ، اور سماجی انصاف و عدل واجبی حد تک ھی نظر آتے تھے۔ ایسے پر آشوب زمانے میں پیغمبر اسلام رحمت بن کر مبعوث ھوئے۔ سیکڑوں بتوں کی عبادت کی جگہ ایک اللہ رب العالمین کی عبادت کی تلقین کی۔ اللہ تعالی کا کلام قرآن پاک پڑھکر سنایا ، اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے طریقے بتائے۔ قریش اور مکہ کے لوگوں کو اپنی صداقت و امانت کا واسطہ دے کر اپنی رسالت کا یقین دلایا۔ وہ لوگ جنہیں دولت و ثروت اور طاقت کا نشہ تھا، آپؐ سے برگشتہ ھوگئے ، غریب ، مفلوک الحال ، غلام اور کمزور آپؐ کے گرد جمع ھوگئے ، اور آپؐ کی تعلیم کے مطابق آپس میں مساوات ، اخوت ، اخلاص و محبت ، عدل و انصاف اور ایثار و قربانی کا عملی مظاھرہ کرنے لگے۔ کچھ مالدار شخصیتیں جو ایمان کے نور سے چمکیں انھوں نے بھاری قیمتیں ادا کر کے اپنے غلام مسلمان بھائیوں کو خرید کر آزاد کیا۔ حسن سلوک ، محبت و خلوص کا بدلہ اسلام کے فرزندوں کو دشمنی و عداوت سے ملا ، اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قریشیوں نے توحید کے پروانوں کا جینا حرام کر دیا۔ خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچانے لگے۔ مجبوراً مسلمانوں کو مکہ سے ھجرت کرنے کی اجازت دی گئی ، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو یثرب کی جانب ھجرت کرنی پڑی اور اس شہر کا نام آپکی تشریف آوری کے بعد مدینۃ الرسول پڑ گیا۔

مدینہ پہنچ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں بڑی سہولت ہوگئی۔ اور امن و امان کے ساتھ مدینہ منورہ کے مختلف قسم کے باشندوں کو جن میں یہود، نصاری، اور اوس و خزرج کے وہ سارے افراد بھی تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، ان سب کو آپؐ نے ایک معاہدہ کے ذریعے متحد کر دیا، اور یہ لوگ ایک عرصے تک اس معاہدے کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون بنے رہے اور صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ البتہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ان کی خوشحالی کو یہود و نصاری نہ دیکھ سکے، اور وقتاً فوقتاً فرزندان اسلام کے خلاف بدعہدی اور بغاوت کا مظاہرہ کرتے رہے اور آخر کار غدر و بےوفائی کے نتیجے میں مدینہ منورہ سے نکالے گئے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عرب قبائل کے اخلاق و عادات میں نمایاں فرق رونما ہوا۔ وہ لوٹ مار، قتل و غارت، فحاشی اور دوسری برائیوں سے تائب ہو کر باہمی تعاون، حسن سلوک اور اخلاق فاضلہ کے خوگر ہوگئے۔ امانت و دیانت، صلح و آشتی، مودت و اخوت، عدل و انصاف جیسی صفات کے حامل بن گئے۔ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے بھائی بن چکے تھے اور ایک دوسرے کے حقوق و عزت کے نگہبان سمجھے جاتے تھے۔

اسلام نے اولین بار ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو صراط مستقیم اور راہ اعتدال پر گامزن رہا۔ اس معاشرے کا ہر فرد نیکی کا گرویدہ اور بدی سے دور بھاگنے والا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیک کام کا حکم دینا اور برے سے روکنا) کو اپنا فرض منصبی بنا کر اسلامی معاشرہ "امت وسط" کے لقب کا مستحق ہوا۔ دنیا میں عدل اسی طرح قایم ہو سکتا ہے کہ برائی کو روک دیا جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے۔ اسی طرح دنیا کے نظم میں اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں افراط و تفریط سے بچنا یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا۔ یہ درجہ مقام

وسط اور درمیانی ہے۔ دنیا میں جو برائیاں ہیں، غور کیجیئے تو وہ افراط و تفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح کسی چیز کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور ہر شے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ اور اس سے بڑھ کر گناہ کی کیا تعریف ہوسکتی ہے کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے خرچ میں اعتدال سے کام نہ لینے کا نام ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا لفظ 'تبذیر' ہے، یعنی کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا، مثلاً دولت فرد کے ضروری آرام و آسایش، عزیز و اقارب کی اعانت، اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔ اگر اسے محض نمود و نمایش، دنیوی عزت اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے لٹانا شروع کر دیں، تو قرآن پاک اسے "تبذیر" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے زیادہ ہے، اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی۔ مسرف کے لئے تو صرف "ان اللہ لا یحب المسرفین" (خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) فرمایا، اور تبذیر کے مرتکبین کو "کانوا اخوان الشیاطین" کہہ کر شیطان کے اخوان و اقارب میں شمار کیا گیا۔ دونوں لفظوں کا فرق قرآن پاک کی آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی "کلوا و اشربوا ولا تسرفوا۔ انہ لا یحب المسرفین"، کھاؤ، پیو، لیکن اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف بالکل صحیح کام ہے، اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے۔ غذا کھانے ہی کے لئے ہے، اور پانی پینے ہی کے لئے ہے، لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے، یا ان کی تیاری اور اکل و شرب پر بے جا روپیہ صرف کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا، اور اعتدال سے دور، اسی لئے حکم ہوا کہ اسراف مت کرو۔ ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالی نے فرمایا، "و ات ذا القربیٰ حقہ و المسکین و ابن السبیل ولا تبذر تبذیرا"، اور اقارب کا حق ان کو دو، نیز مسکین اور مسافر کے حقوق ادا کرو، اور دولت کو ضایع مت کرو۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ دولت کا صحیح مصرف ہے

اعزہ و اقربہ کے حقوق ادا کرنا ، حاجت مندوں اور مسافروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ۔ پس دوسرے کاموں میں بے موقع خرچ کرنا سماجی انصاف کے خلاف ہوگا ، اور فسق و فجور سمجھا جائے گا ۔

ایک دفعہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک اعرابی سے کچھ قرض لیا ، اور اس کو ایک معین وقت پر ادائیگی کے لئے بلایا ۔ اتفاق یہ ہوا کہ میعاد پوری ہونے پر جب وہ اعرابی آپ ؐ کے پاس آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا تو آپ ؐ کے پاس کچھ نہ تھا ۔ آپ ؐ نے مزید مہلت چاہی اور فرمایا کہ کچھ دنوں کے بعد آئے ۔ اعرابی کو آپ ؐ پر طیش آگیا اور بے ادبی کی باتیں کرنے لگا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور چاہتے تھے کہ اس کو زیادتی کا مزہ چکھائیں کہ خود پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و سلم نے بڑھکر حضرت عمر رض کو روکا ۔ اور کہا کہ میں مقروض ہوں اور اس کا حق مجھ پر ہے اس لئے صبر و تحمل کی ضرورت ہے ۔ آخر آپ ؐ نے ایک دوسرے صحابی سے لے کر قرض ادا کیا ۔ اعرابی پر آپ ؐ کے انصاف اور صبر و تحمل کا بڑا اثر ہوا اور وہ ایمان لے آیا ۔

غزوۂ خندق میں جب مدینہ کے ایک جانب کھائی کھودنے کا فیصلہ ہوا تو صحابہ کرام رض کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم بھی خندق کھودنے اور مٹی ہٹانے میں برابر کے شریک تھے ۔ شب و روز سب کے ساتھ اس کام میں مصروف رہے ۔ مدینے کے ارد گرد قریش کے ناگہانی حملہ کے خوف سے باری باری پہرہ دینے کا کام آپ ؐ بھی انجام دیتے تھے ۔ ایک شب کو جب کفار کے حملہ کی افواہ گرم ہوئی تو آپ ؐ ایک گھوڑے پر سوار ہوکر دور دور تک دشمنوں کے کھوج میں نکل گئے ۔ پھر واپس آ کر سب کو تسلی دی اور اپنے اپنے گھروں میں آرام سے سونے کا حکم دیا ۔

لگان و خراج کی رقمیں اور اشیاء لوگوں میں آپ ؐ سب سے پہلے تقسیم

کر دیتے ، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لئے کچھ نہ چھوڑتے ، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین روز تک گھر میں آگ نہ جلتی ، اور آل نبی ص ایک یا نصف کھجور کھا کر روزہ افطار کر لیتے۔ غرض اپنے اہل و عیال سے زیادہ اپنی امت کی آسایش و سہولت کا آپ ص کو خیال رہتا تھا۔

فتح مکہ کے دن قریش کے ظالم سردار آپ ص کے سامنے سرنگوں کھڑے تھے، آپ ص چاہتے تو ان کے ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے ، مگر آپ ص تو سراپا رحمت اور عدل و انصاف تھے آپ ص نے سب کو معاف کر دیا۔ آپ ص کے حسن سلوک سے سب مسلمان ہوگئے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سماجی انصاف اور عدل کا خیال مسلمانوں کو اتنا تھا کہ وہ کبھی ظلم کا بدلہ بیجا طور پر نہ لیتے۔ اور سزا دینے میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھتے۔

اسلام سارے عالم کے ارباب دانش کو ببانگ دھل دعوت دیتا ہے کہ آؤ سب مل کر اس ایک بات پر اتفاق کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں ، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور نہ اپنے میں سے کسی کو کسی پر ماسوائے اللہ فوقیت دیں اور نہ اس کے سوا کسی کو آقا اور داتا سمجھیں۔ اگر یہ اہل کتاب (ارباب دانش) اس بات کا عہد نہ کریں تو کہدو کہ تم سب گواہ رہو ہم خود کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں: ”قل یاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ألا نعبد الا اللہ ، ولا نشرك بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون،، (آل عمران : ٦۴) اس آیت پاک کی واضح تعلیم ہے کہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے ، اور اس کے سارے بندے، جس ملک و ملت ، اور جس دین و عقیدے کے بھی ہوں ، اس کے لئے برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی پر اپنی فضیلت جتائے ، اور نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو حاجت روا سمجھے۔ یہ بات شرک کے قریب ہے کہ کوئی یہ

خیال کرے کہ فلاں بزرگ کی قبر پر حاضری دینے کی وجہ سے میری یہ حاجت یا آرزو پوری ہوئی ، حاجت روا اور آرزو پوری کرنے والا اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اپنی بد اعمالیوں یا ناقص اعمال کی وجہ سے کسی کی دعا قبول ہوتی نہیں دکھائی دیتی تو وہ کسی بزرگ کی زیارت کے بعد ان کی سفارش کے وسیلے سے اللہ تعالی سے دعا کرتا ہے۔ اسلام نے برے اعمال سے بچتے رہنے کی تلقین اسی لئے کی ہے کہ اللہ کے بندے سب آپس میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں، اور نہ کسی کو اپنے سے نیچا سمجھنا چاہئے ، پس سب کو برابر حقوق حاصل ہیں۔ البتہ ہر ہر فرد اپنے اپنے نیک اعمال کی وساطت سے مختلف مدارج و مراتب پر فایز ہوتا ہے۔ اس لئے اساسی اصول عدل و انصاف، حقوق و واجبات سارے انسانی افراد کے لئے برابر ہیں ان میں اگر ذرہ برابر بھی کمی یا پیشی کی جائے گی تو ظلم و عدوان ہوگا۔ رنگ ، روپ ، مذہب اور عقیدے کا فرق نہ کیا جائے گا۔ اسلامی سماج دنیا کی تاریخ میں اولین مثال ہے۔ کہ مسلمانوں کی حکومت میں ہر کیش و ملت کے لوگ صلح و آشتی ، اور امن و امان کے ساتھ بستے تھے، اور سب کو مساویانہ شہری حقوق حاصل تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر فرد کے لئے آذوقہ مقرر کیا تو غیر مسلم فقیر و محتاج کو دست سوال بڑھانے کے لئے نہیں چھوڑا ، ان کے لئے بھی روزینے مقرر کر دیئے ۔

معاملات اور تجارتی لین دین میں کمی بیشی کرنے سے اسلام نے سختی سے منع کر دیا ۔ قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے لئے اشیاء کو بازار سے ناپید کر دینا سخت گناہ قرار پایا ۔ گرانی بڑھانے کے لئے چیزوں کو خریدنا فساد برپا کرنے کے مترادف بتایا گیا ۔ چور بازاری، چوری چھپے اشیاء کی نقل و حرکت کو بھی فساد کہا گیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ” قد جاء تکم بینة من ربکم ، فاوفوا الکیل و المیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ، ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین ،، (الاعراف : ۸۵) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف

سے نشانی آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو ، اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو ، اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ پیدا کرو ، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے ۔

" یا قوم اوفوا الکیل و المیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء ہم ولا تعثوا فی الارض مفسدین" (ھود : ۸۵) اور اے قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو ، اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو ۔ زمین میں خرابی کرنا فساد برپا کرنا نہایت عام حکم ہے ، اس کا مطلب صرف نقض امن نہیں ، ملکی قوانین ' دینی اور اخلاقی نیز معاشرتی اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی فساد رونما ہوتا ہے ۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنا ، کسی کے ساتھ زبردستی کرنا ، کسی کو دھوکا دینا ، دنیاوی کاروبار میں تعطل پیدا کرنا ، اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں کی سہولتوں کو برباد کرنا ، بھلے کاموں میں تعاون نہ کرنا ، اور برے کاموں کے لئے ورغلانا سب خرابی و فساد کے نتائج ہیں ۔

اسلام نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے وہ اسی سماجی انصاف کے پیش نظر مشروع ہے ۔ غیر اسلامی ثقافت کے غلبے کے باعث آج کے مہذب سماج میں البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوشش کرنے والوں سے کہا جاتا ہے " دوسروں کے امور میں مداخلت نہ کرو ، اور اپنی راہ لو ، " آج سے سالہا سال پہلے کے لوگ جو اسلامی تعلیمات سے زیادہ لگاؤ رکھتے تھے ایسا کہنے والوں کو برا سمجھتے تھے ، کیونکہ ایسا کہنا اسلامی حکم کے خلاف ہے ۔ دو جھگڑنے والے گروہوں میں صلح کرانا مسلمانوں کی شان ہے اور قرآن کا فرمان ۔

سماجی انصاف کے پیش نظر اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے ، اور پیہم کوشش کرنے کی تلقین کی ہے ، قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا فریضہ تھا اپنے ملک ،

وطن اور هم قوم کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش میں لگے رهنا ، یہی وجه ہے که مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے که ایک طرف ستره ساله سپه سالار محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہے اور مسلمان قیدی عورتوں کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑاتا ہے۔ دوسری جانب موسی بن نصیر ستر سال کی عمر هو جانے پر بھی بحراطلانتک کے کنارے پانی میں گھوڑے ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے : اے آسمان اور اے بحر بیکراں ! اگر اس سے پرے بھی کوئی خطۂ زمین میرے علم میں هوتا تو اعلائے کلمة الله کے لئے وهاں بھی پہنچنے کی کوشش کرتا ، اور آگے بڑھنے سے باز نه آتا ۔

غرض اسلام کے نام لیوا اپنے آخری وقت تک کوشش میں لگے رهتے هیں ، کبھی جدو جہد اور عمل خیر سے دست بردار یا ریٹائرڈ نہیں هوتے ۔

بقیه نظرات

یوم اقبال هر سال کی طرح امسال بھی آیا اور گذر گیا ۔ مگر اس مرتبه هر اس شخص کے تاثرات بہت مختلف هوں گے جس کے سینے میں درد مند دل ہے ، اس لئے که اب کے جن حالات میں یه یاد گار دن آیا وه بھی بہت مختلف هیں۔ پاکستان کی تاریخ کے ساتھ اقبال کا نام بطور علامت کے استعمال هوتا رها ہے۔ آج سے ۲۴ سال پیشتر بھی یوم اقبال آیا تھا جب اقبال کے حسین خواب کا عکس جمیل مملکت خدا داد پاکستان کی صورت میں جلوه گر هوا تھا ۔ به بین تفاوت ره از کجا است تابه کجا ۔ ۲۴ سال پہلے کے یوم اقبال اور ۷۲ء کے یوم اقبال میں کتنا فرق ہے۔ اقبال نے ملت اسلامیه کی وحدت کا خواب دیکھا تھا :۔

ایک هوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شغر

پوری دنیائے اسلام نه سہی بر صغیر کے مسلمانوں نے متحد هو کر ایک ایسی ریاست قائم کی جو اس خواب کی تعبیر تھی ،مگر وائے افسوس که وه تعبیر ادھوری ره گئی، ایک ملک کے مسلمان یکجا نه ره سکے ۔ پاکستان کا ایک حصه اس سے الگ هوگیا !